

حیاتِ محکومہ

”آذر لندن آرہا ہے۔ شام چار بجے تک وہ پہنچ جائے گا اسٹیشن۔“ ٹانیہ نے اسے صبح ہی فون پر بتایا تھا۔

”افس کے کام سے وہ دو دن سے برطانیہ میں تھا۔ اسکاٹ لینڈ سے اسے آج لندن آنا ہے۔“ ٹانیہ نے تفصیل بتائی۔ ٹانیہ کا وہ فون اس کے لیے کسی مجزے کے رو نما ہونے کی خبر سے بڑھ کر تھا۔

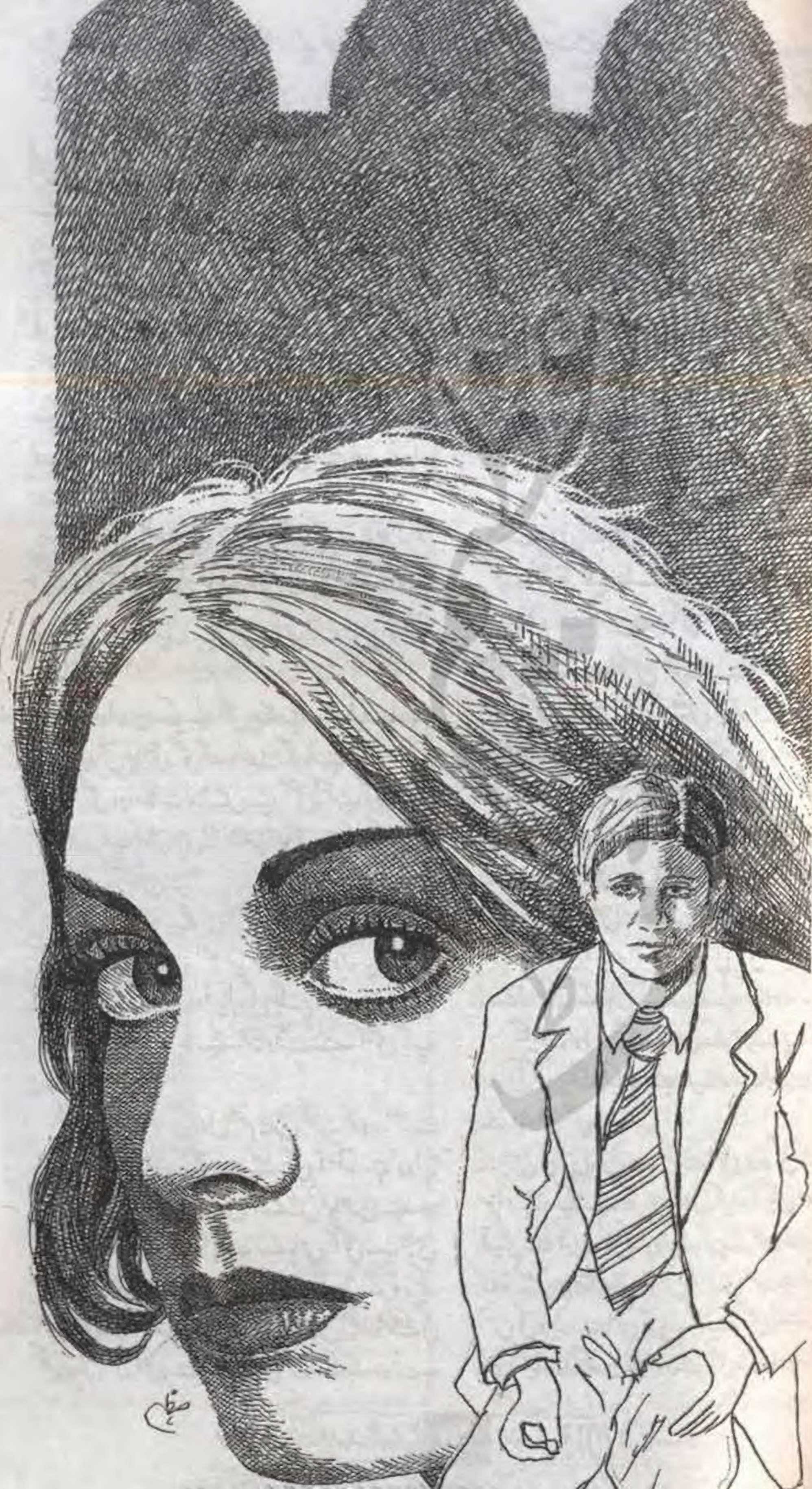
”آپ سے ملنے نہیں آرہا آنٹی! اپنے کسی کام سے آرہا ہے۔ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ آپ اسے دور سے دیکھ لیجئے گا۔ اگر اسے معلوم ہوا کہ میں نے آپ کو

اس کے آنے کا بتایا ہے تو وہ بہت ہنگامہ کرے گا، پلیز آنٹی!“

اور فریال نے ٹانیہ سے وعدہ کیا کہ وہ آذر کو صرف دیکھے گی، ملے گی نہیں لیکن یہ وہ اس وقت بھی جانتی تھی کہ وہ جھوٹا وعدہ کر رہی ہے۔ وہ آذر کو دیکھے گی نہیں وہ اس سے لیٹ جائے گی۔ اسے بھیج لے گی اور پھر بے تحاشا پیار کرے گی۔ وہ آذر کو دیکھ کر اس سے دور کیسے رہ سکتی ہے۔

وہ سات سال بعد اس سے ملنے والی تھی، دیکھنے والی تھی۔ جب وہ گھر چھوڑ کر گیا تھا، اس وقت وہ اٹھارہ

نارولیٹ



سال کا تھا۔ فریال کے لیے چھوٹا سا بچہ تھا۔ اب وہ خود ایک بچی کا باپ بن چکا تھا۔

انتالبا عرصہ۔ اتنے بہت سارے دن۔ اتنی لمبی لمبی راتیں اس نے آذر کو یاد کرتے کرتے پکارتے اس کے لیے روتے ہوئے گزار دی تھیں۔ ثانیہ کا فون سننے ہی وہ فوراً "لندن ریلوے اسٹیشن آگئی۔ اپنے گھر کو لاگ بھی نہیں کیا۔ وہ بے حد خوش تھی۔ خوشی کے مارے اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ بس سے آنے کے بجائے وہ ٹیکسی سے آئی۔ وہ ایک ایسے چھوٹے بچے کی طرح لگ رہی تھی جو غبارے ہاتھ میں پکڑے اپنے والدین کے ساتھ پہلی بار آؤں کریم کھانے جا رہا ہو۔

اسٹیشن کی بھیڑ میں وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی پھر اسے یاد آیا کہ آذر کو چار بجے تک آنا ہے اور ابھی صرف گیارہ بجے ہیں۔ اس نے ثانیہ کو فون کیا۔

"کیا وہ لندن کے لیے نکل چکا ہے۔" وہ ایک بار پھر سے تصدیق چاہتی تھی کہ وہ لندن آ رہا ہے۔

"ابھی وہ اسکاٹ لینڈ میں ہے آنٹی! آپ کو بتایا تھا نا کہ وہ۔ آپ کہاں ہیں؟" ثانیہ اچانک چونک کر بولی۔

"میں اسٹیشن۔"

"آپ گیارہ بجے ہی اسٹیشن آگئیں؟ میں نے غلطی کی آپ کو بتا کر۔" ثانیہ کو افسوس ہوا۔ یہ افسوس اسے تب نہ ہوتا اگر وہ فریال کی جگہ پر ہوتی۔

"پلیز آنٹی! گھر جائیے۔ اتنا وقت ہے۔ ابھی آپ یہاں کیا کریں گی؟"

"میں بہت خوش ہوں، تم میری فکر نہ کرو۔" اسے خدشہ تھا کہ وہ چار بجے سے پہلے بھی آسکتا ہے، وہ اپنا ارادہ بدل سکتا ہے، سو جلدی آنے میں کیا حرج ہے۔ وہ

اسٹیشن کے بیرونی دروازے کے پاس آگئی۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں سے وہ ہر آنے جانے والے کو دیکھ سکتی تھی۔ وہ اسٹیشن کے اندر اسے نہیں ڈھونڈ سکے گی مگر یہاں آذر اس سے بچ کر نہیں گزر سکے گا۔ وہ قریب

ہی ایک جگہ بیٹھ گئی اور ٹھنکی لگا کر ہر ایک کو دیکھنے لگی ابھی اس کے آنے کا وقت نہیں ہوا تھا، مگر کون جانے وہ آج بھی جائے۔

وہ گزرنے والوں کی شکل کی طرف دیکھتی اور پہچاننے سے پہلے ہی مسکرانے لگتی۔ اسے یہ ڈر بھی تھا کہ اس کے بلیک جھپکنے کے دوران ہی کہیں آذر اس سے بچ کر نہ نکل جائے۔ وہ ایک لمحے بھی نظریں ادھر ادھر کرنا نہیں چاہتی تھی۔

گیارہ سے بارہ اور بارہ سے ایک بج گیا۔ وہ اسی ایک جگہ پر نظریں جمائے بھی کھڑی ہوئی۔ کبھی بیٹھ جاتی وہ خوش تھی مگر اسے چین و قرار نہیں تھا۔

دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا، لیکن اسے بھوک پیاس محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ کاؤنٹر تک جائے اور اسکاٹ لینڈ سے آنے والی ٹرین کا پوچھے، لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اسے

"ٹرین لیٹ ہے یا ٹرین سرے سے آئی نہیں رہی" جیسی منحوس خبریں سننے کو ملیں، جبکہ ایسی خبروں کا کوئی امکان نہیں تھا، لیکن اس کے نزدیک کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ وہم کو دل میں جگہ دینا نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ

دل میں جگہ بنا رہے تھے۔

اس کی آنکھیں بار بار نرم ہو رہی تھیں۔ اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ آذر اس سے ملنے نہیں آ رہا۔ وہ وہاں ایسے انتظار کر رہی تھی جیسے آذر نے اسے فون کر کے وہاں آنے کے لیے کہا ہو۔

تکلیف اور خوشی نے اس کے چہرے پر شکنوں کو نمایاں کر دیا تھا۔ ایک لمبے عرصے کے بعد وہ آذر سے ملنے جا رہی تھی۔

اس کی اپنی ماں سے نفرت اتنی بڑھ گئی کہ وہ اسے سزا دینے کے لیے گھر ہی چھوڑ گیا۔ اچھی سزا تھی جو فریال نے خوب کائی۔ وہ ایک کرپٹ عورت کے ساتھ

رہنا نہیں چاہتا تھا۔ خاص کر ایسی عورت کے ساتھ جس کی وجہ سے اس کا باپ ایسے بھی ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا۔ وہ ایک بری عورت تھی۔ وہ بار بار اسے کہہ

اس کی اپنی ماں سے نفرت اتنی بڑھ گئی کہ وہ اسے سزا دینے کے لیے گھر ہی چھوڑ گیا۔ اچھی سزا تھی جو فریال نے خوب کائی۔ وہ ایک کرپٹ عورت کے ساتھ

رہنا نہیں چاہتا تھا۔ خاص کر ایسی عورت کے ساتھ جس کی وجہ سے اس کا باپ ایسے بھی ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا۔ وہ ایک بری عورت تھی۔ وہ بار بار اسے کہہ

اس کی اپنی ماں سے نفرت اتنی بڑھ گئی کہ وہ اسے سزا دینے کے لیے گھر ہی چھوڑ گیا۔ اچھی سزا تھی جو فریال نے خوب کائی۔ وہ ایک کرپٹ عورت کے ساتھ

رہنا نہیں چاہتا تھا۔ خاص کر ایسی عورت کے ساتھ جس کی وجہ سے اس کا باپ ایسے بھی ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا۔ وہ ایک بری عورت تھی۔ وہ بار بار اسے کہہ

ختم تھا کہ وہ بری عورت ہے اور وہ اس عورت کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔

"تم نے گشتیوں والے کام بھی شروع کر دیے۔" وہ کچن میں کھڑی رات کا کھانا بنا رہی تھی۔

آذر سامنے ہی بیٹھالی وی دیکھ رہا تھا، جب وہ بیگ ہاتھ میں لیے اس کے سامنے کھڑا ہو کر چلانے لگا۔

"ویدہ دلیری تو دیکھو۔ بے شرم ویسے ہی دلیر ہو جاتا ہے۔"

"جیسے تم ہو۔" وہ بدستور اپنا کام کرتے ہوئے پلٹے بغیر بولی۔

"مجھے بے شرم کہا۔" بیگ پھینک کر اس نے اس کی گردن پکڑی۔

"تمہیں تمہاری اصلیت بتا رہی ہوں۔" اس سے اپنی گردن آزاد کروا کر وہ کچن سے باہر نکلی۔ آذر سما ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

"آذر! تم کمرے میں جاؤ۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ آذر کے پاس آکر بولی۔ وہ جانتی تھی کہ اب یہ تماشا رات گئے تک لگا رہے گا۔

"بیٹھا رہنے دو اسے یہاں۔ اسے جانے دو سب کچھ۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی ماں باہر کیا کیا کرتی ہے۔"

"آذر! او میرے ساتھ۔" آذر کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسے کمرے میں لے آئی اور دروازہ بند کر دیا۔

"اس کی ماں سولہ سے اٹھارہ گھنٹے کام کرتی ہے باہر سیہ بتاؤں اسے یا یہ کہ اس کا باپ سولہ منٹ کام کر کے کما کر نہیں لاسکتا۔ اسے کھانا تو دور کی بات ہے۔" وہ واپس آکر کچن میں کام کرنے لگی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے رسید اس کی آنکھوں کے سامنے لا کر لہرائی، جیسے اس کی چوری پکڑی ہو۔ رسید تو بیگ میں مل گئی۔ انگوٹھی کہاں ہے ہیرے کی؟

اسے عادت تھی اس کا بیگ اس کی الماری حتیٰ کہ کچن میں بنے دروازے تک چیک کرنے کی۔ جب وہ بالکل

خالی جیب ہو جاتا تو وہ گھر کی ہر چیز سوچتا پھرنا حتیٰ کہ گلدان اور لائڈری مشین بھی۔

"کس یار نے لے کر دی ہے یہ۔؟"

"تمہیں یقیناً یار کی فکر تو نہیں ہوگی۔ فکر تو تمہیں انگوٹھی کی ہے نا؟" وہ برتن دھونے لگی۔

اس بات نے اسے اور طیش دلایا۔ اس نے اس کی کمر پر زور سے ایک لات ماری۔ انتہائی غصے میں وہ یہی کرتا تھا۔

"بنا حرام۔ کس نے لے کر دی ہے؟" اس نے ایک سانس میں چار پانچ گالیاں بوے دیں۔

کمر پر دونوں ہاتھ ٹکائے وہ زمین پر ادھ موٹی ہو رہی تھی۔

"گلوگی کی تھی۔ آج وہ میرے ساتھ خریداری کرنے گئی تھی۔ اس کے پاس سامان بہت تھا۔ میں نے اسے بیگ میں رکھ لی۔"

"تو انگوٹھی اس نے نکال لی اور رسید تجھے پکڑا گئی؟"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

نخل حسی بی بی

فاخرہ جبین

قیمت - 400 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021

جنوری 2013

71

ماہنامہ شعاع

70

جنوری 2013

الو کا پٹھا سمجھ رکھا ہے نا مجھے؟ اپنے باپ کی طرح جو تیری کمائی کھاتا ہے۔

”جانتے ہوئے وہ انگوٹھی لے گئی۔ رسید رہ گئی میرے بیگ میں۔ گوگی سے فون کر کے پوچھ لو۔“ وہ جانتی تھی کہ ایک لات مارنے کے بعد وہ اب اسے سارے گھر میں گھسیٹے گا۔

مجھے یہ کہانی مت سنا۔ صرف اتنا بتا کہ یہ کس نے لے کر دی؟ تیرا کیا خیال ہے میں جانتا نہیں کہ وہ کمپنی کا ڈرائیور اور تو دونوں کیا کیا کرتے پھرتے ہو۔“

”وہ میرا بھائی بنا ہوا ہے۔ کچھ شرم کرو۔“

”تم جیسی عورتیں بھائی ہی بناتی ہیں۔ بہت بھائی بنا رکھے ہوں گے اور بھی۔ کمپنی میں بھی۔“

”جیسے تم نے اپنی کئی بہنیں بنا رکھی ہیں۔“

”ہاں! بنا رکھی ہیں۔“ وہ مارنے کے لیے اس کی طرف لپکا۔

”میرے پاس نہ آنا۔ میں پولیس کو فون کروں گی۔“

”پولیس۔ کر پولیس کو فون۔ لے کر۔“ کھڑا کھڑا وہ اسے اپنی ٹانگوں سے مارنے لگا۔ ”آج تو کر ہی لے اپنا شوق پورا۔ جا۔ جا کر۔“

جب وہ اسے مارتے مارتے تھک گیا تو رسید اٹھا کر آذر کے کمرے میں آگیا اور کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

آذر پہلے ہی باہر کی آوازوں سے سہا بیٹھا تھا۔

”یہ دیکھو آذر!“ نادر نے آذر کو گود میں بٹھایا۔ اس کا ماتھا چوم اور رسید اس کے ہاتھ میں دی۔ ”تمہاری ماں نے اتنے بہت سارے پیسوں کی خریداری کی ہے۔ بہت مہنگی مہنگی چیزیں لی ہیں۔ یہ سب اسے اس کے دوست نے لے کر دی ہیں۔ تمہاری ماں اور وہ دوست آپس میں بہت خوش رہتے ہیں۔ تمہاری ماں نہ میرا خیال رکھتی ہے اور نہ ہی تمہارا۔ آج میں نے پوچھا کہ وہ آدمی کون تھا تو لڑنے لگی۔ ہمارا مذہب عورت کو ایسی آزادی نہیں دیتا۔ ایسی عورت کو بدکردار کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں تو مجھ سے لڑتی ہے۔“

سات سالہ آذر سر اٹھا کر حیرت سے اپنے باپ کی

باتیں سن رہا تھا۔

”دروازہ کھولو نادر! خدا کے لیے نیچے پر رحم کرو۔“ فریال دھڑا دھڑ دروازہ پیٹنے لگی۔ ”وہ نفسیاتی مریض بن جائے گا۔ اپنے نیچے پر تورحم کرو نادر!“

”اسے تمہارے کرتوت بتا رہا ہوں۔“ نادر نے چلا کر کہا۔

وہ مسلسل دروازہ پیٹے جا رہی تھی جب تک کہ اس نے دروازہ کھول نہ دیا۔

”کیوں۔۔۔ تم نہیں چاہتیں اسے سب معلوم ہو۔۔۔“

فریال اس کی بات سننے بغیر آذر کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے آئی اور دروازہ لاک کر لیا۔ آذر اس سب ڈرامے کے دوران خاموش ہی تھا۔ وہ ہر بار خاموش ہی رہتا تھا۔

”پاپا مذاق کر رہے تھے آذر! تمہارے ساتھ۔ تم جانتے ہو نا، کبھی کبھی انہیں غصہ آ جاتا ہے۔“ وہ آذر کا سر سہلانے لگی۔

ایک عرصے سے آذر کی معمولی کارکردگی پر اسے بار بار اسکول بلایا جا رہا تھا۔ آذر دن بدن صغریٰ ہوتا جا رہا تھا۔ اسکول کے ہی ڈاکٹر نے آذر کے لیے نفسیاتی ڈاکٹر تجویز کیا تھا۔ ایک ماہ سے فریال، آذر کو ڈاکٹر کے پاس لے کر بھی جا رہی تھی۔ لیکن وہ ٹھیک کیسے ہوتا۔ ٹھیک ہونے کے لیے اس کے ماں اور باپ دونوں کا ٹھیک ہونا ضروری تھا اور ایسا ناممکن تھا۔ شروع سے ہی وہ کم گو تھا، لیکن گزرتے وقت نے اسے خاموش تر بنا دیا۔ لندن میں آذر فریال کا کل اثاثہ تھا۔ اس کا اکلوتا بیٹا۔

دس سال پہلے فریال جب بیاہ کر لندن آئی تھی تو اتنی اذیت ناک زندگی کے بارے میں اسے گمان تک نہیں تھا۔ وہ سرکاری اسکول سے آٹھ جماعتیں پاس تھی۔ نادر اس کا دوسرا بڑا کارشتہ دار تھا۔ چند سالوں سے وہ لندن میں ہی مقیم تھا۔ نادر نے ہی فریال سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا تھا، کیوں؟ وہ نہیں جانتی تھی۔ شادی کے فوراً بعد ہی وہ نادر کے ساتھ لندن

آئی۔ لوگ اس کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔ خود وہ بھی کرتی تھی۔ وہ گھر میں سب سے بڑی تھی اور کڑھائی سلائی کا کام کر کے گھر کے لیے ایک معمولی سا سہارا بنی ہوئی تھی۔ اس کے چار چھوٹے بہن بھائی سرکاری اسکول میں پڑھتے تھے اور باپ پوسٹ آفس میں جو کیدار تھا۔ وہ بے حد غریب نہیں تھے۔ صرف اتنے کہ وہ تین وقت کا کھانا ہی سہولت سے کھا سکتے تھے بس۔

وہ لندن جا رہی تھی یہ ان کے گھرانے کے لیے قارون کے خزانے جیسی بات تھی۔ وہ خزانہ نادر اور لندن تھے۔ لندن ایک ایسی جگہ جہاں جانے کا اس کی ساتویں نسل بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔

لندن میں نادر اسے ایک کمرے کے ڈربے نما گھر میں لے آیا۔ دو دن بعد ہی وہ اسے دواؤں کی ایک کمپنی میں لے گیا۔ نادر نے اسے ڈبل ڈیوٹی ورکرز میں لگوا دیا تھا۔ اسے اٹھارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا۔ محنت کرنے پر اسے اعتراض نہیں تھا۔ اپنے چھوٹے سے شہر میں بھی وہ محنت ہی کرتی تھی۔

نادر اس سے اس کی ساری تنخواہ لیتا تھا۔ نادر چند گنی چنی چیزیں کھانے پکانے کے لیے لے آتا۔ وہ لندن میں پاکستان سے زیادہ غربت کا سامنا کر رہی تھی۔ نادر کا کہنا تھا کہ وہ اس قرض کو ادا کر رہا ہے جو اسے لندن لانے کے لیے اس نے لیا تھا اور وہ بہت زیادہ تھا جس کے لیے وہ بھی دن رات کام کر رہا تھا۔ وہ چھوٹے شہر کی ایک سیدھی سادی لڑکی تھی۔ سولہ سے اٹھارہ گھنٹے کام کرتی تھی۔ اپنے شوہر سے بہت پیار کرتی تھی اور لندن آکر رہنے میں ہی بہت خوش تھی۔

”انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش۔ بہت لوگ تم جیسی بیویاں امپورٹ کرتے ہیں وہاں سے۔“

یہ گوگی تھی۔ کمپنی میں اس کے ساتھ کام کرتی تھی اس کی کچھ جھجک ختم ہوئی اور اس نے بولنا اور دوسروں کو سننا شروع کیا تو اسے بہت سی نئی باتوں کی سوجھ بوجھ آنے لگی۔ جوئی صرف اس کے لیے تھیں۔ اس کی بہت سی پاکستانی اور انڈین عورتوں سے

دوستی ہو گئی تھی۔ گوگی سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ کھانے کے دورانیے میں گوگی ہی ان سب کو لیکچر دیتی۔

”ایک یہ ہے نرملا۔ دس سال سے یہاں کام کر رہی ہے۔ آج تک میں نے اسے ڈھنگ کی ساڑھی میں نہیں دیکھا اور یہ پاکستان کی لڑکی نرملا سے بھی آگے ہے۔ اس نے لندن آکر آس کریم تک خرید کر نہیں کھائی۔“

فریال اس کی سچائی پر افسردہ ہو گئی۔ یہ گوگی ہی تھی جو اسے گلے بگاڑے سمجھاتی رہتی تھی کہ وہ نادر کو اپنا شوہر سمجھے۔ اسے اپنا آقا نہ بنائے۔ اسے سارے پیسے نہ دیا کرے کچھ اپنے پاس بھی رکھا کرے۔

پہلی بار مار بھی اسے اسی بات پر پڑی تھی، جب اس نے نادر کو آدھے پیسے دیے تھے اس نے اس کی مار کھائی، مگر پیسے آدھے ہی دیے۔ پہلی بار مشکل لگا مگر اس نے کر لیا۔ وہ اپنے گھر پیسے بھیجنا چاہتی تھی۔ اس کا باپ بیمار تھا۔

”اگر وہ کماتی تھی تو اس کی کمائی پر صرف اسی کا حق تھا۔“ یہ گوگی کا کہنا تھا، جسے وہ جلدی ہی سمجھ گئی، ٹھیک دو سال بعد۔ ہر بار نادر اسے پیسوں کے لیے مارتا۔ خود وہ پتا نہیں کیا کرتا تھا۔ کبھی دنوں کے لیے غائب رہتا تھا اور کبھی ہفتوں کے لیے۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس سے پوچھے کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔

وہ اس کی مار کھا لیتی تھی مگر پھر بھی اس کی مار اور غصے سے ڈرتی تھی۔ تھوڑا بہت بھی وہ اپنی دوستوں کے کہنے پر بول لیتی تھی۔ تین سال بعد جب آذر آنے والا تھا تو گوگی کے مشورے پر ہی فریال نے گھر بدل لیا۔

”ہمت ہے تمہاری۔۔۔ تم اس غسل خانے جتنے گھر میں رہتی ہو۔“

گوگی نے ہی کرائے پر گھر لے کر دیا۔ کچھ اپنے جمع شدہ پیسے اور کچھ اس نے گوگی سے ادھار لیے اور وہ دو کمروں کے فلیٹ میں کرائے دار بن کر رہنے لگی۔

صاف ستھرا گھر اس کی زندگی میں خوش گوار تبدیلی لایا۔ اسے اچھا لگتا تھا اس گھر میں رہنا۔ حیرت انگیز

طور برنار نے اس کے گھر بدلنے پر کوئی ہنگامہ نہیں کیا۔ گھر آج بھی کیوں گھر کا کر لیا یہی اسے دینا تھا اور اخراجات تو وہ پہلے ہی خود سے اٹھاتی تھی۔ جب نادر پورے مہینے کے لیتا تھا تب بھی گئی جتنی چیزیں ہی پکانے کے لیے لاتا تھا۔

”تم جیسی پاگل عورتیں ہی مردوں کو شیر بناتی ہیں۔“ کوگی اسے کافی عرصے سے سمجھا رہی تھی کہ وہ نادر کو پیسے دینا بند کر دے۔ گھر کا کر لیا، روز مرہ کے اخراجات، آذوقہ کی ضروریات، اس کی اپنی صحت، گھر کے کیسے یہ سب کرنی۔ وہ بار بار اسے یہی دیکھتی دیتا تھا کہ وہ اسے پاکستان واپس بھیج دے گا۔ وہ پاکستان جانے سے ڈرتی تھی۔ یہاں تو وہ پھر بھی اچھا خاصا کمائی تھی گھر بھی پیسے بھیج دیتی تھی۔ وہاں وہ کیا کما سکتی تھی۔ وہی دودھائی ہزار مہینے کے۔

نادر اس کے گھر میں چھپا کر رکھے میسے بھی نکال کر لے جاتا تھا۔ اسے یہ پروا بھی نہیں تھی کہ وہ اکیلی گھر چلائی ہے، بچے کو سنبھالتی ہے۔ ایک دن پاکستان سے اس کے گھر والوں کا فون آیا۔ ان کا کہنا تھا کہ نادر کی پاکستان میں موجودگی کی اڑنی اڑنی خبر ان تک پہنچی ہے۔ نادر مہینے سے غائب تھا۔ وہ اسے کام کے سلسلے میں دوسرے شہر جانے کا بتا کر گیا تھا۔

”اڑنی اڑنی خبر جیج بھی ہو سکتی ہے،“ کوگی کو اڑنی اڑنی خبر یقین تھا۔ ”لیکن وہ پاکستان جائے گا کیوں؟“ فریال کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

”تمہاری طرح کی ایک اور لینے،“ کوگی سنجیدہ تھی۔ ”ایسا نہیں ہو سکتا۔“

اس نے اپنے گھر والوں سے کہہ دیا کہ نادر میں سے وہ انہیں پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ”میں نے گھر والوں سے کہا وہاں پتا کریں۔ وہ وہیں ہے۔ مجھے یقین ہے۔“ میں انہیں پریشان کرنا نہیں ”ایسا بیمار رہتے ہیں۔ میں انہیں پریشان کرنا نہیں

چاہتی۔“ ”پھر خود ٹکٹ کنواؤ اور جاؤ۔“ کوگی کو غصہ آ گیا۔ وہ اتنی سمجھ دار بہت والی ہوتی تو ابھی تک نادر کی بیوی نہ ہوتی۔

جب نادر آیا تو اس نے اس سے پوچھا۔ ”پاگل تو نہیں تمہارے گھر والے مجھے کیا ضرورت تھی پاکستان جانے کی؟“ ”اس کا پاسپورٹ دیکھنا تھا۔ دیکھا؟“ کوگی پوچھ رہی تھی۔

”وہ تو اسی کے پاس ہوتا ہے۔ میں کیسے دیکھتی؟“ ”پھر جا کر اپنا ڈیڑھا چیک کر۔“ کوگی نے نہ صرف مشورہ دیا، بلکہ اسے ساتھ لے کر بھی گئی۔ اس ڈرے میں واقعی ایک اور مرقی موجود تھی، انتہائی سادہ اور سہمی ہوئی۔ دو دن پہلے ہی وہ وہاں آئی تھی۔

”نادر کون ہے تمہارا؟“ کوگی نے ہی ساری پڑتال کی۔ ”شوہر۔“ ”اس۔۔ اچھا۔ ہمارا امت جتنا۔ ہم یہاں پہلے کرائے دار تھے۔ اس لیے نادر کو جانے ہیں۔“ کوگی نے بچی کے گالوں پر چٹکی بھری۔ وہ بچی ہی تھی، جو اکیلی وہاں بڑی تھی۔

”کہا تھا نا تمہیں۔ دیکھ لی اس کی نئی بیوی۔ نئی فریال۔“

”تم پاکستان سے ایک اور بیوی لائے ہو؟“ دو دن بعد جب وہ گھر آیا تو فریال نے اس کے بیٹھنے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ اس کی بات پر وہ کافی دیر تک خاموش ہی رہا۔

”بیوی نہیں ہے میری۔ میرے دوست کی رشتے دار ہے۔ اسے یہاں کام کرنا تھا۔ پھر میرج کرنا پڑی اس کے دیزے کے لیے۔ غریب ہے بہن بھائیوں کی واحد تکلیف ہے۔ میں نے تو مدد کی ہے اس کی۔“ وہ

اسے اور تین چار باتیں سن کر سو نہ چلا گیا۔ ”اوپا گل! اس لڑکی کی شکل یاد کر۔ وہ تجھے لگتی ہے برطانیہ آ کر کام کرنے والی، وہ تو شاید کبھی اپنے گھر سے باہر نہیں نکلی ہوگی کبھی۔“

کوگی نے اسے سمجھایا بہت مثالیں دیں مگر اس میں شاید جج کو قبول کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ وہ خود کو بھی دھوکا دے رہی تھی۔ اس نے نادر کی بات پر یقین کر لیا تھا۔

”جس عورت کے ساتھ دھوکا ہوتا ہے۔ اس دھوکے میں آج وہ خود شریک ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنا دماغ استعمال نہیں کرتے وہ کفران نعمت کرتے ہیں۔ عذاب صرف برے لوگوں کو ہی نہیں ملتا چاہیے۔ انہیں بھی ملنا چاہیے۔ جو برے لوگوں کو شہرہ دیتے ہیں۔“ کوگی کو بے تحاشا غصہ تھا فریال پر۔

کچھ دنوں تک نادر باقاعدگی سے گھر آتا رہا۔ گھر کا ماحول بھی ٹھیک ہی رہا۔ ایسے دنوں میں آذوقہ بہت خوش ہوتا تھا۔ جب نادر زیادہ سے زیادہ وقت گھر میں گزارتا تھا۔

چند دنوں بعد اس کی پرانی ڈگریٹ آئی۔ فریال اس کی زندگی میں ایک ملازمہ سے بڑھ کر نہیں تھی۔ ایک بار مارنے کے بعد اس کا ہاتھ کھل گیا تھا۔ وہ بات بات پر اسے بلوا دیا کرتا تھا کہ وہ اس کے سامنے خوف زدہ ہی رہے۔

آذر بڑا ہوا تھا اور فریال نہیں چاہتی تھی کہ اس کے سامنے کوئی لڑائی ہو۔ وہ اس کا واحد امانت تھا۔ اسے اس کی تعلیم کے لیے اس ملک میں رہنا تھا۔ وہ اپنے بچے کو غربت میں واپس لے جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ڈبل ڈبل کام کرتی تھی۔ ہفتے کے پانچ دن دوا بیوں کی لپٹن میں اور ہفتہ اتوار ایک گودام میں، جہاں اس کا کام صفائی کرنا تھا۔ گھر میں اس کے بھائی، بہن بڑے ہو رہے تھے۔ ان کے لیے اسے الگ سے محنت کرنا پڑتی تھی۔ ان کا مستقبل بھی فریال کے ہاتھوں میں ہی تھا۔

نادر کی بدترین عادت یہ تھی کہ وہ اس کے پاس کوئی

پیسہ نہیں رہنے دیتا تھا۔ وہ گھر آتا ہی کھانے اور پیسے لینے کے لیے تھا اور ہر بار مار، خاص کر آذر کے سامنے مائے بچنے کے لیے اسے نادر کو پیسے دینے ہی پڑتے تھے۔ وہ نادر کے لیے کسی نہ کسی طرح پیسے بچا کر رکھتی۔

”میں اخبار کا نمائندہ تمہارے گھر بھیجتی ہوں۔ تم اسے اپنی کمائی سناؤ۔“ کوگی ہر بار اسے اسانی بکھروہ چھوٹے شہر کی چھوٹی عورت بڑی بہت نہیں کر سکتی تھی۔

”نہیں! نادر مجھے طلاق دے دے گا۔“ ”جب خود کو اور اپنے بچے کو تھپال رہی ہو تو طلاق ہو جانے سے کیا فرق پڑے گا؟“

”میں اکیلا ہونے سے رہنے سے ڈرتی ہوں۔“ اکیلے رہنے سے ڈرتی ہو؟ اکیلے مار کھاتے نہیں ڈرتیں؟ اس کے جوتے اپنے منہ پر کھاتی ہو اور اس کے منہ میں اپنی کمائی ڈالتی ہو۔ جو جوتی کالے اسے پھینک دیتے ہیں۔“ ”نادر جوتی نہیں ہے۔“

”ٹھیک کہا، نادر تو تمہارے پاؤں کی جوتی بھی نہیں ہے۔ میرے پہلے شوہر نے جب اپنے جوتے کی نوک میرے منہ میں گھسائی تو میں نے اسے اپنے لیے آخری بار سمجھ لیا۔ اسی رات میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں جوتوں کو اپنے پیروں میں رکھوں گی۔ اپنے سر پر نہیں پڑنے دوں گی۔ جو ڈرتے ہیں وہ زندگی نہیں گزارتے فریال! وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے بنائی گئی دوزخ میں خود کو جلاتے ہیں۔ یاد رکھنا فریال! ظلم کا ہر باب ہم خود اپنے لیے لکھتے ہیں۔“

فریال صرف اسے دیکھ کر رو گئی۔ ”میرا دوسرا شوہر انسان ہے۔ میں نے اپنی زندگی سے اس جانور کو نکال دیا۔ اب میں خوش ہوں اس دنیا میں برے بھی ملتے ہیں اور اچھے بھی۔“

”میں آذر سے اس کا باب نہیں چھین سکتی۔ تم جانتی ہو ہر دن فیملی کے بچے کیسے ہوتے ہیں۔“ ”ہر دن کن فیملی کے بچے جیسے بھی ہوتے ہیں وہ

انسان ہی رہتے ہیں۔ نادر کے زیر سایہ تو آذر انسان بھی نہیں رہے گا۔ خود پر رحم کرو۔ آذر برا ہو کر جان جائے گا کہ تمہارے لیے طلاق کتنی ضروری تھی۔ پاکستانی ان بڑھ چوہوں والی سوچ کو آگ لگا دو۔ طلاق لے لو۔“ لیکن آذر کا مکمل خاندان کا خواب ٹوٹ جائے گا۔

”we are family“ میری بہت شوق سے دیکھتا ہے کوئی۔“

”تم چھٹا کو فریال! امید اچھے کی کی جاتی ہے۔ نادر سے کسی اچھے کی امید مت رکھنا۔ اچھے وقت پر طلاق لے لو۔ آذر ابھی چھوٹا ہے۔“

”آذر ابھی چھوٹا ہے اسی لیے تو۔ نادر کے گھر آتے ہی وہ اس کا سایہ بن جاتا ہے۔ نادر بہت پیار کرتا ہے آذر سے۔“

”ان دونوں کا یہ پیار تمہیں لے ڈوبے گا۔ اسے تمہارا دن رات کا کام کرنا یاد نہیں رہے گا۔ ہفتے بعد ملنے والا باپ کا پیار یاد رہے گا۔ آذر تمہارے ہاتھ سے کھائے تو اگلے بھول جائے گا۔“

”وہ بے شک باپ سے پیار کرے۔ مجھے تو بس اپنا بیٹا ایک کا سایہ انسان چاہیے۔“

”ایک وقت میں تمہیں صرف آذر کا پیار ہی چاہیے ہوگا۔ یاد رکھنا! اس وقت آذر کا پیار ہی سب کچھ ہوگا۔“

وہ خیالوں میں اتنی گم نہیں تھی کہ بھول جاتی کہ وہ وہاں کیوں آئی ہے۔ ایک بار پھر اس نے اپنی غم آنکھیں صاف کیں۔ چار بجنے میں چند منٹ تھے۔ خوشی خوشی وہ ہر گزرنے والے کو دیکھتی رہی۔ ایک لمبے عرصے کے بعد وہ مسکراتی تھی۔ آج اس کا بیٹا آ رہا تھا۔ فریال نے سوچ رکھا تھا کہ وہ آذر سے بالکل چھوٹے بچوں کی طرح لپٹ جائے گی تو وہ کیا کر لے گا کچھ نہیں اور وہ اپنی ہی رہے گی۔

پانچ منٹ۔ دس منٹ۔۔۔ فریال نے قریب سے

گزرتی ایک عورت سے اسکاٹ لینڈ سے آنے والی ٹرین کا بوجھ۔ وہ سر ہلا کر چلی گئی۔ تصدیق ہو چکی تھی نرینر اچھی تھی۔ آذر بھی بس باہر آنے ہی والا تھا۔ وہ اور چاق و چوبند ہو کر دیکھنے لگی۔ وہ آنے ہی والا ہے۔ بس ٹھوڑی دیر میں وہ میرے سامنے کھڑا ہوگا۔

جب آذر ڈر اور بڑا ہوا تب اسے معلوم ہوا کہ نادر اور اس کے درمیان ہونے والی ٹکراؤں اور لڑائیوں کا اس نے کتنا گہرا اثر لیا تھا۔ آنے والی اس کے رویے کی شکایت اسکول سے آئے لگیں۔ وہ نادر کی طرح ہی پل تیز اور اکھڑ ہوتا تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ آذر کے اچھے گریڈ کے بجائے اسے اس طرح کی رپورٹس ملیں۔

اب اس نے اور زیادہ کوشش کرنی شروع کر دی کہ نادر سے اس کا سامنا نہ ہو، لیکن چھوٹا سا گھر تھا اور نادر اپنی عادت سے مجبور تھا۔ وہ کوئی بھی ملاقات لڑے بغیر نہیں گزارتا تھا۔ زیادہ لڑائی اس کے نشے میں ہونے کی وجہ سے ہوتی تھی۔ اس کے آتے ہی فریال اسے کھانا کھلا کر جیسے تیسے جمع کیے گئے پیسے پکڑا دیتی۔ اس سے وہ یہ سمجھنے لگا کہ شاید فریال زیادہ ہی کمانے لگی ہے۔ وہ اس سے اور زیادہ پیسے مانگنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ نادر کے سامنے سب تدبیریں الٹی ہی ہوتی تھیں۔ آذر سے وہ نادر کے خلاف کوئی ایسی سیدھی بات نہیں کرتی تھی۔ آذر ہی جانتا تھا کہ وہ دوسرے شراب کھاتا تھا اور چھٹی ملنے پر ہفتوں بعد ہی گھر آتا ہے۔ وہ ایک چھوٹے سے اسکول جانے والے بچے کے ذہن پر اور کتابوں جھلائی وہ اسے کیسے بتاتی کہ اس کا باپ نشہ پی ہے، بوجھ لھکیا ہے اور اپنی بیوی کی حلال کی ساری کمانی لے اڑتا ہے۔

”تم اپنے گھر پیسے بھجواتی ہو؟“

”نہیں۔“ اس نے صاف جھوٹ بولا۔

”میرے ساتھ میرا بھیرا نہیں نہ کرو فریال!“ اس نے

دھمکی آمیز انداز میں کہا۔ ”میرے پاس ثبوت ہے۔ اپنے منہ سے خود اگل دو، ورنہ تجھے چوٹے پر رکھ دوں گا۔“

”ایک دو باب۔“ وہ انکی۔ ”میں ضرورت تھی تو۔“

”ضرورت کی کچھ لگتی۔ تو ان کی ماں ہے۔؟ جانتی ہے میرے کتنے پیسے لگے ہیں مجھے یہاں لانے میں؟ کتنے عیش سے رہ رہی ہے تو یہاں۔ شوہر کو ایک روپیہ نہیں دتا اور اپنے بھوکے بچے، بہن، بھائیوں پر بہت ترس آتا ہے۔“

آذر کے سامنے وہ ایسے ہی بڑے بڑے جھوٹ بولتا تھا۔ وہ جانتا تھا آذر فریال کی کمزوری ہے اور وہ اتنا گھٹا تھا کہ آذر پر قطہ قطہ ہر گز کار تھا۔

”مجھ سے تو کتنی تھی کہ آذر کے کمپیوٹر کے لیے پیسے جمع کر رہی ہوں۔ تو تو ان کے لیے نان نفقے کا انتظام کر رہی تھی۔“ نادر نے ایک اور جھوٹ کھڑا۔

”آذر! اوھر آؤ۔“ آذر بھاگ کر اپنے پیپا کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

”تمہاری ماں نے سارے پیسے اپنے بہن بھائیوں کو پاکستان بھجوا دیے ہیں جو میں نے اسے تمہارے لیے دیے تھے۔“

”آذر کو کیوں پریشان کر رہے ہو نادر۔ آذر اپنے کمرے میں جاؤ۔“

”یہ نہیں رہے گا سب سنے گا۔“

”خدا کے لیے نادر! اپنے بیٹے پر رحم کرو۔ اب نہیں سمجھوں گی پیسے وہاں۔ آذر بیٹا! جاؤ جا کر کھیلو۔“

”یاد رکھنا فریال! میرے ساتھ کوئی جلائی نہ کرنا۔“ آذر کے جاتے ہی نادر نے انگلی اٹھا کر دھمکی دی۔ ”بیٹا چین کر نہیں پاکستان چلا کر لوں گا۔“

”نادر کو بتانا تھا، یہ لندن ہے۔ پاکستان نہیں جہاں وہ بیٹا چھین لے گا۔ زبان تو تمہارے پاس ہے نہیں۔ عقل کب آئے گی؟ ایک شخص کو شوہر بننے کے تم پیسے بھی دے رہی ہو۔ اس سے مار بھی کھا رہی ہو اور ذرا بھی اسی سے ہو۔“

”کیا کروں پھر۔ ذرا میں اوھر اوھر ہوتی ہوں تو آذر سے پتا نہیں کیا، کیا کتنا رہتا ہے۔ کچھ دن پہلے اسے کہہ رہا تھا انہی ماہ نظر رکھا کرو۔“

”واہ۔۔۔ ایک بجے سے کہہ رہا تھا۔ داؤد جی ہوں نادر کو۔ ابھی بھی عقل پکڑو۔ سانپ ہے نادر۔ تمہارے بچے کو زہر پلا رہا ہے۔“

”پھر کیا کروں؟“ وہ اور ابھی۔ ”چلتا کرو۔ آذر کا دماغ خراب کر دے گا۔ نامعلوم اور کیا کیا کتا ہے اسے۔ اپنے ہاتھوں آذر کو دوسرا نادر مت بناؤ۔“

”کیسے چلا کروں۔“ وہ بے بسی سے گوگی کو دیکھنے لگی۔ طلاق کے نام سے ہی اس کی دماغ خراب ہوئی تھی۔ ان ہی دنوں وہ کمزوری اور قنات سے گودام کے اسٹور میں کام کرتے ہوئے چکر اکر گئی۔ ڈاکٹر سے چیک اپ کے بعد اسے گودام کے ڈرائیور کے ساتھ گھر بھیج دیا گیا تھا۔ وہ ایک بنگالی ڈرائیور تھا اور اس کے ساتھ فریال کی اچھی دعا سلام تھی۔ ”موتا“ چائے کے لیے وہ اسے گھر کے اندر لے آئی۔ چائے پی کر وہ جانی رہا تھا کہ نادر آگیا۔ اس نے بنگالی کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ وہ جانتی تھی اس بات پر نادر ضرور لڑے گا۔ لیکن وہ لڑا نہیں، بلکہ اس کی گردن دبوچ لی اور اسے زمین پر پٹخ دیا۔ اپنے بھاری جوتوں سے اسے مارنے لگا۔ وہ نشے میں تھا اور اس کی سرخ آنکھیں باہر آنے کو تھیں۔ وہ اسے گندی گندی گالیاں دے رہا تھا۔

”مجھے شک تھا۔ ذرا لست دکھا دی تا! ایسے ہی تو اتنی زبان نہیں چلتی، بہت سوں کی شہرہ ملی ہوئی ہے نا۔ بہت سارے۔ بہت پیسے بہت عیش۔“

اس نے اپنے بھاری جوتے سے اس کا منہ ملا۔ وہ اس کے ہونٹوں اور گالوں پر اپنے جوتے کے تلوے رگڑ رہا تھا۔ فریال کے دانتوں اور ہونٹوں سے خون نکلنے لگا۔

”دیکھ آذر! اپنی ماں کے کر توت۔ آج اپنے پیار کو گھر لے آئی۔ اسی لیے یہ مجھے گھر میں گھنے نہیں دیتی

لے آئی۔ اسی لیے یہ مجھے گھر میں گھنے نہیں دیتی

لے آئی۔ اسی لیے یہ مجھے گھر میں گھنے نہیں دیتی

لے آئی۔ اسی لیے یہ مجھے گھر میں گھنے نہیں دیتی

لے آئی۔ اسی لیے یہ مجھے گھر میں گھنے نہیں دیتی

مجھے منہ نہیں لگائی۔“ غصے اور توہین کے احساس سے فریال کا منہ سرخ ہو گیا۔ اس نے جھٹک لیا اٹھ کر ہر وہ چیز اس پر پھینکی شروع کر دی جو اس کے ہاتھ آئی۔ اس سے پہلے وہ صرف خود کو بچاتی تھی۔ آج پہلی بار اس نے بدافعت کی کوشش کی۔

”مجھے ہاتھ لگا کر کھانا نادر! اب تو۔“

پندرہ منٹ کے اندر گمنام پولیس نادر کو لے گئی۔

”جھاگ جا آؤ۔ اس عورت کے شر سے نجات حاصل کر لے۔“ پولیس کے آنے کے باوجود وہ زخمی

کتے کی طرح بھونک رہا تھا۔

”یہ تیرے ساتھ بھی یہی کرے گی جو میرے ساتھ

کیا۔“

آؤر ہتھیوں سے رو رہا تھا۔ فریال نے اسے اندر

کرے میں لے جانے کی کوشش کی، مگر وہ اپنی جگہ

سے کس سے مس نہیں ہوا۔

وہ آخری منظر تھا جو آؤر نے دیکھا اور وہ آخری بار

تھی جو فریال نے اس دن کھائی۔ گوگی کی مدد سے اس

نے طلاق بھی لے لی۔

اس کا خیال تھا کہ نادر اسے تنگ کرے گا، مگر ایسا

نہیں ہوا۔ ویسے بھی کورٹ کے آؤر کی وجہ سے اسے

فریال سے ایک ہزار گز دور ہی رہنا تھا۔ فریال نے

اپنے گھر والوں کو سب کچھ بتا دیا۔ صرف ایک آؤر تھا،

جو سب کچھ نہیں جانتا تھا۔ آؤر تو وہ جانتا تھا جو اس کے

پاپا اسے بتایا کرتے تھے۔

”تمہاری ماما کام کرنے نہیں جاتی۔ اپنے دوستوں

کے ساتھ گھومنے جاتی ہے۔“

آخری بات جو اسے معلوم ہوئی، وہ یہ تھی کہ ماما اپنا

دوست گھر لے آئی تھیں، جس پر بیابا ناراض ہو گئے اور

ماما نے پولیس کو بلا لیا۔

آؤر نادر کو یاد کر کے بہت رو تا تھا۔ روتی وہ بھی تھی

اس سے اپنے بیٹے کا رونا دیکھا نہیں جاتا تھا۔ پھر آؤر

اپنے خول میں بند ہو تا چلا گیا۔ بہت ضرورت کے

وقت ہی وہ فریال سے بات کرتا۔ وہ بہت بد مزاج اور

چڑچڑاہو گیا۔

میں چاہتی ہوں نادر! آؤر سے ملنے آجایا کرے، لیکن میرے پاس نادر کا کوئی آجاتا ہی نہیں ہے۔ کیسے رابطہ کروں اس سے؟

”انتہائی پیار ہوتا ہے آؤر سے تو خود آکر ملتا۔“

”آؤر بہت ادا اس رہتا ہے نادر کے لیے۔ بہت

روتا ہے۔“

آج کا رونا نکل کے رونے سے اچھا ہے۔

”آؤر کو یہ کیسے سمجھاؤں۔“ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”مجھ سے تو بات ہی نہیں کرے گا۔“

”چھپے سمجھ جائے گا۔“ گوگی نے تسلی دی۔

گزرتے وقت نے آؤر کی ناپسندیدگی کو اس پر ظاہر

کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے چھوٹے بڑے سارے کام

خود ہی کرتا تھا۔ اپنے لیے کھانا خود بنا تھا۔ اس کے

بنائے ہوئے کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگا تا تھا۔ وہ اس

سے کچھ نہیں کہتا تھا، مگر اس کی آنکھیں بہت کچھ کہتی

تھیں۔

”تمہاری ماموں آ رہے ہیں آؤر!“ اس دن وہ

بہت خوش تھی۔ پہلے تو اس نے ایسے ظاہر کیا جیسے تنا

ہی نہیں، پھر کمرے کی طرف جاتے جاتے رک کر بلاتا۔

”پاپا ٹھیک کتے تھے۔ جو عورت اپنے خاندان کو

پالتی ہے وہ اپنی اولاد کو ڈستی ہے۔“

آؤر کی اس بات نے اسے سن سا کر دیا۔ اسے اپنے

باپ کی کسی باتیں یاد تھیں۔

آہستہ آہستہ آؤر نے ضرورت کے لیے اس سے

پیسے لینے بھی بند کر دیے تھے۔ وہ جو کچھ اس کے لیے

خرید کر لاتی وہ ایک نظر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

”مجھے لگتا ہے وہ نادر سے ملتا ہے باہر کیس۔“

”شاید۔ اس کا یہ رویہ بلا وجہ نہیں۔“ فریال بہت

پریشان تھی۔

”لیکن نادر کا تو کچھ آجاتا ہی نہیں کہ کہاں ہے۔“

”ہو سکتا ہے“ آؤر نے اسے دھونڈ نکالا۔ ”فریال

یہ سن کر گہری تشویش میں مبتلا ہو گئی۔

”آؤر! تم اپنے پیپا سے ملے کبھی؟“ فریال نے پیار

سے ہی پوچھا تھا۔

”مل لیتا۔ اگر آپ نے ملنے کے لائق چھوڑا ہوتا۔“ آؤر نے نفرت سے کہا۔ ”آپ کی وجہ سے ان کی اتنی بدنامی ہوئی کہ انہوں نے یہ شہری چھوڑ دیا۔“

آپ نے انہیں جیل بھیج دیا۔ وہ شاید پکارا رہا تھا نادر

کا۔

”وہ مجھے مار دیتا۔ تب تم خوش ہوتے؟“ اس نے

دکھ سے آؤر کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے بھی بہت بار حنا چکا

تھا آؤر کا خیال جاتا۔

”جبری عورتوں کو ماری دینا چاہیے۔“ آؤر نے اتنی

سفاکی سے کہا کہ وہ اپنا دل تمام کر رہی تھی۔

”میں تمہاری ماں ہوں آؤر! کیا غلط کیا ہے میں نے

آج تک؟“

”کیا غلط کیا تھا پاپا نے۔ آپ کو روکتی تھی تھیں۔

دن رات آپ باہر رہتی تھیں، اپنے دوستوں کے

ساتھ۔“

”آپ تم اتنے بھی بچے نہیں ہو کہ یہ جان نہ سکو کہ

تمہاری ماں دوست رکھنے کی شوقین نہیں ہے۔“

”آؤر وہ جو بدلتی آتا ہے؟“

”نکل کھو انہیں۔ بھائی ہے وہ میرا۔ ہر برے

وقت میں مدد کی ہے اس نے میری۔“

”ہو نہ۔ بھائی۔ بچہ نہیں ہوں میں۔“

آؤر کے اس رویے سے وہ اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ

اس کے دل میں درد رہنے لگا۔ ڈاکٹر نے اسے اپنا خیال

رکھنے کو کہا۔ گوگی نے آؤر کو بہت سمجھایا۔ ماضی کی

بہت سی باتیں بتائیں، لیکن جیسے وہ سنتا نہیں چاہتا تھا۔

اس پر کسی بھی بات کا اثر نہیں ہوا تھا۔

اٹھارہ سال کا ہوئی ہی اس نے گھر چھوڑ دیا۔ شاید

گھر چھوڑنے کے جن انتظامات میں وہ لگا ہوا تھا، وہ

ہو چکے تھے۔ اپنے لیے کسی اور جگہ انتظام کر رکھنے کے

بعد اس نے گھر چھوڑ دیا۔ فریال کے نام اس نے ایک

چٹ تنک لکھنا گوارا نہیں کی۔

چند دن پہلے جب وہ گھر آیا تو نادر کی طرح ہی اس

نے چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکی شروع کر دیں۔

”آج پیلا کو دیکھا میں نے۔“ وہ منفر سے فریال کو

”مل لیتا۔ اگر آپ نے ملنے کے لائق چھوڑا ہوتا۔“ آؤر نے نفرت سے کہا۔ ”آپ کی وجہ سے ان کی اتنی بدنامی ہوئی کہ انہوں نے یہ شہری چھوڑ دیا۔“

آپ نے انہیں جیل بھیج دیا۔ وہ شاید پکارا رہا تھا نادر

کا۔

”وہ مجھے مار دیتا۔ تب تم خوش ہوتے؟“ اس نے

دکھ سے آؤر کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے بھی بہت بار حنا چکا

تھا آؤر کا خیال جاتا۔

”جبری عورتوں کو ماری دینا چاہیے۔“ آؤر نے اتنی

سفاکی سے کہا کہ وہ اپنا دل تمام کر رہی تھی۔

”میں تمہاری ماں ہوں آؤر! کیا غلط کیا ہے میں نے

آج تک؟“

”کیا غلط کیا تھا پاپا نے۔ آپ کو روکتی تھی تھیں۔

دن رات آپ باہر رہتی تھیں، اپنے دوستوں کے

ساتھ۔“

”آپ تم اتنے بھی بچے نہیں ہو کہ یہ جان نہ سکو کہ

تمہاری ماں دوست رکھنے کی شوقین نہیں ہے۔“

”آؤر وہ جو بدلتی آتا ہے؟“

”نکل کھو انہیں۔ بھائی ہے وہ میرا۔ ہر برے

وقت میں مدد کی ہے اس نے میری۔“

”ہو نہ۔ بھائی۔ بچہ نہیں ہوں میں۔“

آؤر کے اس رویے سے وہ اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ

اس کے دل میں درد رہنے لگا۔ ڈاکٹر نے اسے اپنا خیال

رکھنے کو کہا۔ گوگی نے آؤر کو بہت سمجھایا۔ ماضی کی

بہت سی باتیں بتائیں، لیکن جیسے وہ سنتا نہیں چاہتا تھا۔

اس پر کسی بھی بات کا اثر نہیں ہوا تھا۔

اٹھارہ سال کا ہوئی ہی اس نے گھر چھوڑ دیا۔ شاید

گھر چھوڑنے کے جن انتظامات میں وہ لگا ہوا تھا، وہ

ہو چکے تھے۔ اپنے لیے کسی اور جگہ انتظام کر رکھنے کے

بعد اس نے گھر چھوڑ دیا۔ فریال کے نام اس نے ایک

چٹ تنک لکھنا گوارا نہیں کی۔

چند دن پہلے جب وہ گھر آیا تو نادر کی طرح ہی اس

نے چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکی شروع کر دیں۔

”آج پیلا کو دیکھا میں نے۔“ وہ منفر سے فریال کو

”یقین کیجئے! آذر نے مجھے یہی بتایا تھا۔ شاید کسی مسئلہ کی وجہ سے اسے جواز سے اتار دیا ہو۔“

اس نے بے دلی سے فون کو کوٹ کی جیب میں رکھا اور بے دم ہی ایک طرف چلنے لگی۔ کس طرف؟ اسے نہیں معلوم تھا۔ معلوم کر کے کرنا بھی کیا تھا۔ لندن سینٹرل اسٹیشن کی بھینٹیں وہ تھما ہی ہو گئی۔

کیسا لگتا ہے منزل کے بغیر سفر کرنا۔ سفر بھی دکھ اور تکلیف ہے۔ اس نے بھی وہی سفر کیا تھا۔

”تم نہیں آئے نا آذر!“ چلتے چلتے وہ پرہیز کرنے لگی۔

ایک عرصہ ہوا وہ خود سے اور آذر سے آجپے آواز میں باتیں کرنے لگی تھی۔

”تم سے ایک بار ملنے کے لیے میں جنم کی آگ میں کود سکتی ہوں، لیکن تم تو نادر ہی بن گئے۔ میرا بیٹا نادر کا بیٹا بن گیا۔ آذر میرا بیٹا۔“

وہ رونے لگی۔ آنسو اس کے لالنگ کوٹ کے کالر میں جذب ہونے لگے۔

”تم تو ملے نہیں، کاش! آج مجھے موت مل جائے۔ اگر تم کسی کو نے سے لپک کر میری طرف نہ آؤ تو موت آجائے۔“ وہ اسٹیشن کی حدود سے باہر اب سڑک پر تھی۔ گھر جانے کے لیے اسے بس میں چالیں منٹ کا سفر کرنا پڑا تھا۔ وہ پیدل ہی سمت کا تعین کیے بغیر چلنے لگی۔ شام گہری ہو رہی تھی۔ اس نے سب سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ کمزوری اور نفاست سے زیادہ اسے صدمے نے بڑھال کر دیا تھا۔ اس کا پیچھے سالہ بیٹا اس ماں سے ملنا نہیں چاہتا تھا، جس نے اٹھائیس سال اپنے پیاروں سے دور صرف اس کے لیے یہاں اس کے گزار دیے تھے۔ کیا لگتا ہے۔ اٹھائیس سال کی ریاضت اور دکھ کے بعد ناکام ہونا۔ ساری محنت محبت اور ایمان داری کے بعد ناکام ہونا۔ وہ مین روڈ پر بنی ان دکانوں کے آگے سے گزر رہی تھی، جن میں لوگ خوش خوشی چرس خرید رہے تھے۔ کاش! وہ بھی آذر کیس سے خرید سکتی۔

لندن شہر جگمگا رہا تھا اور اس کی آنکھیں بھی۔ قریب سے گزرنے والے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ

چنگیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔ نومبر کی سرداتوں کے گرم آنسو۔

☆ ☆ ☆

”میری ٹیسٹ رپورٹ پر سائن آپ نے کیے ہیں؟“ آذر اس وقت نویں جماعت کا اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ چن میں کام کر رہی تھی جب وہ روانہ نور سے بند کر کے اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ خود سے تو وہ اپنی ڈائری، رپورٹس، نوٹس، دیکھا نہیں تھا۔ وہ خود ہی بیک چیک کرتی رہتی تھی۔

”ہاں۔“

”کیا میں نے آپ سے کہا تھا سائن کرنے کے لیے؟“

”تمہیں کہنا چاہیے تھا۔ یہاں میرے ہی سائن ہونے تھے۔“

”یہاں میرے ڈیڈ کے سائن ہونے تھے۔“

”سائن میں ہی کرتی رہی ہوں۔“

”آپ تو بہت کچھ کرتی رہی ہیں۔ تب میں بچہ تھا۔ اب نہیں۔“

”کیا کرتی رہی ہوں میں۔؟“ آذر نے اپنی رپورٹ بھاڑ کر پھینک دی۔

”میری کسی چیز کو ہاتھ مت لگایا کریں۔“

”تمہیں معلوم ہے آذر! تم میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟“ اپنی ماں کے ساتھ۔

”آپ کو معلوم ہے آپ نے کیا کیا میرے اور ڈیڈ کے ساتھ؟“

”کیا کیا۔ بتاؤ مجھے۔“

”آپ نے ہر وہ کام کیا جس سے ڈیڈ نے آپ کو منع کیا۔“

”اس نے کبھی مجھے پیسے کا گھر چلانے اور تمہیں پالنے سے تو منع نہیں کیا۔“

”پیسے آپ اپنے گھر والوں کے لیے کما تے تھے۔ جن عورتوں کے دل اپنے گھروں میں نہیں لگتے وہ ساری دنیا کو اپنا لے رہی تھیں۔“

”کیسے ہی زندگی گزار رہی ہوں۔ کون ہے جسے اپنا لے؟“

”مجھ سے اپنی ذاتیات کی تفصیل مت پوچھے۔ میں گناہ گار عورت کے گناہوں پر پارت کرنا نہیں چاہتا۔“

”جس عورت نے مردوں کی طرح حلال رزق کھایا۔ اپنے بیٹے کے لیے اکیلے زندگی گزار دی۔ وہ گناہ گار ہے؟“

”آپ کو شوق تھا سب ملنے والے آزاد رہنے کا۔“

”آزاد رہنے کا نہیں، مار پیٹ سے بچنے کا شوق تھا۔“

”برے کاموں سے کوئی آپ کو روکے بھی نا؟“ آذر کے پاس ہر سوال کا جواب تھا۔

”کوئی ٹھیک کہتی تھی۔ نادر تمہارے اندر زہر بھر رہا ہے۔“

”ذرا آپ سے ٹھیک کہتی ہے۔ آپ کو ٹھیک نہیں کہتی۔“ آذر نے زہر میں بھجا طر کیا۔ وہ طنز کرتا تھا اور طنز بھری نظروں سے اسے دیکھتا بھی رہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

”تم اسے لے کر پاکستان چلی جاؤ۔“ گوگی نے مشورہ دیا۔

”کس کے پاس۔ اپنے ماموں، نانا، نانی سے وہ ملے بغیر ہی اتنی نفرت کرتا ہے۔ اسے بس نادر چاہیے۔“

”تو بیچ دو اسے نادر کے پاس۔ چار دن رہے گا اس کے پاس تو سب سمجھ جائے گا۔“

نادر کہیں ملتا تو وہ کچھ کرتی۔ بیوی کے نام پر وہ ماں بنی اور ماں کے نام پر گناہ گار۔

”آذر مجھے نادر کی نظموں سے دیکھتا ہے گوگی! تنفر اور حقارت سے۔ مجھ جیسی ماں سے پوچھو، اولاد کی نفرت کا دکھ۔“ بیلے باپ مارتا تھا۔ اب بیٹا نظموں کی مار مارتا ہے۔ گوگی کے سامنے وہ کھل کر رونے لگی۔

”یہ سب تمہاری کمزوریوں کا نتیجہ ہے فریال! عورت میں اتنی ہمت تو ہونی چاہیے کہ وہ بگڑی بات کو

سنوار سکے۔ آخر تم کب اپنے ڈر اور خوف سے نجات حاصل کرو گی؟“

”ساری عمر ڈرتی رہی ہوں سب سے۔ پہلے اپنے باپ سے، پھر شوہر سے، پھر طلاق سے۔ اب آذر سے، اس کی نفرت سے اس کی حقارت سے۔“

”جہاں ڈرنا سیکھا ہے، کچھ اور بھی سیکھ لو۔ تمہیں کوئی ہراس نہیں سکتا۔ تم خود راتی ہو۔“

چلتے چلتے جب وہ ٹھک گئی تو ایک پارک میں آکر بیٹھ گئی۔ پارک میں اکا دکا لوگ ہی تھے نومبر کی سردی میں لوگ اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے ایسے گھر جہاں بچوں کا پیار ہوتا ہے اور ماں باپ کا احترام۔

☆ ☆ ☆

آذر سولہ سال کا ہوا تو فریال سے چھوٹا بھائی نعمان لندن پڑھنے اور کام کرنے کے لیے آیا۔ وہ اسٹوڈنٹ ویز پر آیا تھا۔ نعمان امرپورٹ سے فریال کے گھر ہی آیا تھا۔ فریال نعمان کے آنے پر بہت خوش تھی۔ ایک طویل مدت کے بعد وہ کسی سے ملنے والی تھی۔ کسی اپنے سے۔ لیکن آذر کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ وہ کھیلنے کے بعد باہر سے آیا تو اتنی نفرت سے نعمان کی طرف دیکھا کہ وہ اٹھ کر اسے پیار بھی نہیں کر سکا۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے اپنے کمرے کی چیزیں بھینکی شروع کر دیں۔ نعمان سب سمجھ گیا۔ فریال گہری سانس لے کر رہ گئی۔

”یہ مغرب ہے۔ یہاں کے بچے۔“ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

”وجہ مشرق مغرب نہیں ہے اپنی!“ وہ بھی اتنا ہی کہہ سکا۔

نعمان فریال کے ساتھ ہی رہنے آیا تھا اور فریال بھی اسے اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتی تھی مگر وہ ایسا کیسے کرتی۔

”بے قصص دوبارہ اس گھر میں نہیں آئے گا۔“ نعمان کے جاتے ہی آذر چلانے لگا۔

”وہ تمہارے ماموں ہیں۔“ اس نے محل سے کہا۔

”وہ صرف آپ کا بھائی ہے۔“ اس نے انگلی اٹھا کر کہا۔

نعمان، آذر کی موجودگی میں پھر نہیں آیا۔ ویسے بھی وہ رات دن کام کرتا تھا۔ اسے اپنی دو بہنوں کی شادی کرنی تھی وہ اتنا مضبوط ہونا چاہتا تھا کہ پھر اس کی کسی بہن کو نادر مل سکے۔

گزرتے وقت نے فریال کے لیے کچھ نہیں بدلا۔ خوشی کا کوئی لمحہ اسے نصیب نہیں ہوا۔ جاتے ہوئے آذر اپنے کمرے میں لگی نادر کی تصویر لے کر گیا بس۔

تین دن اسپتال میں رہ کر گوگی اسے اپنے ساتھ گھر لے گئی۔ اس کے ہر ملنے جلنے والے نے آذر کو ڈھونڈنا چاہا مگر وہ نہیں ملا۔

اپنے فارغ وقت میں نعمان بھی یہی کام کرتا تھا۔ سارا لندن، سارا برطانیہ کھنگال ڈالا مگر آذر نہیں ملا۔ فریال کی بڑتی جسنانی اور ذہنی حالت کی وجہ سے نعمان، فریال کے ساتھ رہنے لگا۔

”ایک بار آذر کو لے آؤ۔ اس سے کہو مجھ سے نفرت ہی رکھے مگر میرے سامنے رہے۔ اس کی ماں اس کے بغیر مر جائے گی۔“

وہ ہر وقت تڑپتی رہتی۔ ہر ایک کے سامنے روتی رہتی۔ نعمان چاہتا تھا کہ وہ پاکستان چلی جائے مگر وہ نہیں جاتی تھی۔

”میں خالی ہاتھ رہ گئی۔ نادر سب لے گیا۔“ نادر نام کا ”جوان“ اس کا سب کچھ کھا گیا۔

اگر گوگی اور نعمان نہ ہوتے تو شاید وہ خود کشی کر لیتی۔ اس نے جب چھوڑ دی۔ سارا وقت وہ آذر کو ہی نہ جانے کہاں کہاں تلاش کرتی رہتی نہ جانے کہاں کہاں مکن کن لوگوں سے ملتی۔ پھر وہ ایک سیاہ فام گروپ سے ملی جو آذر کو تلاش کرنے کے لیے تیار تھا، مگر وہ اتنے زیادہ پیسے مانگ رہے تھے کہ اس کے بینک اکاؤنٹ میں رکھے تھوڑے سے پیسوں سمیت گھر کی ہر چیز بیک جاتی تو بھی وہ رقم ادا نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے دوبارہ ڈبل جاب شروع کر دی۔ ہفتہ آٹوار دوسری جاب۔ اس نے ایک ایک پاؤنڈ بچانا شروع کر دیا۔ انتہائی ضرورت کے علاوہ پیسہ خرچ کرنا بند کر دیا۔ ڈاکٹر کے تجویز کردہ سرسپ۔ فوڈ پلیمنٹ، کبھی کبھار کے لیے جانے والے کپڑے جوتے وہ صرف تین وقت کے ساتھ کھانے پر آئی۔

ایک عرصہ لگا فریال کو ایڈوائس کی رقم جمع کرنے میں لگ گئی۔ ابھی ادا ہوا۔ نعمان سے بھی پیسے لیے گھر کا کچھ سامان بیچ کر حاصل شدہ رقم شامل کی۔ ایڈوائس لینے کے تین ماہ بعد فریال کو آذر کے بارے میں معلومات ملنے لگیں۔

لندن سے وہ سیدھا فرانس گیا تھا۔ فرانس کی یونیورسٹی سے دو سالہ ڈگری لینے کے بعد اس نے وہیں کسی کمپنی میں ڈیڑھ سال تک جاب کی۔ پھر وہ سویڈن چلا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد وہاں سے بھی چلا گیا۔ کہاں چلا گیا وہ معلوم کر رہے تھے اور ظاہر ہے یہ معلومات حاصل کر کے ”اب وہ کہاں ہے“ کی معلومات فریال کو مکمل رقم کی ادائیگی کے بعد ہی ملنی تھی۔

نعمان اور گوگی کا خیال تھا کہ وہ اپنی رقم ضائع کر رہی ہے، ان لوگوں کو دے کر سوہ لوگ اسے الوینا رہے ہیں۔

”بننے دو مجھے الوینا بن گئی ہوں۔ اب دیکھنا کیا کیا نہیں بنتی۔“

اس کی صحت دن بدن گرتی ہی جا رہی تھی۔ اسے اتنا زیادہ کام کرنا پڑتا تھا۔ نعمان نہیں چاہتا تھا کہ وہ جاب کرے مگر وہ اپنی ہی نہیں تھی۔

”آپ! آپ نے اپنا آپ برباد کر لیا ہے۔ بس کر دیں اب۔“

”آذر کے ملنے تک مجھے اور کر لینے دو۔ میں اس سے ملے بغیر نہیں مروں گی۔ وہ میری جمع پونجی ہے۔ ایسے کیسے اسے میں دینا میں پابند ہوں۔“

جب فریال نے مکمل ادائیگی کر دی تو چند ہفتوں میں ہی انہوں نے بھی مکمل معلومات دے دیں۔

وہ جرمنی میں تھا اپنی بیوی ثانیہ اور ایک آٹھ ماہ کی

بچی نمل کے ساتھ وہاں وہ ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ اسے فون نمبر اور گھر کا ایڈریس دونوں دیے گئے فون نمبر اور ایڈریس ملتے ہی وہ اپنا دل تھام کر رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ آذر مل چکا ہے۔

چھ سال اور چند ماہ بعد آذر اسے مل چکا تھا۔ اس نے پہلے فون کیا۔ یہ گھر کا نمبر تھا۔

”تمہاری ماں!۔“ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

”میری کوئی ماں نہیں۔“ گزرتے سالوں بعد بھی آذر نہیں بدلتا تھا۔

آذر فون بند کر چکا تھا۔ ساری رات ہانگا سارا دن وہ فون پر فون کرتی رہی مگر اس نے پھر فون نہیں اٹھایا۔

فریال کے پاس مزید ایک پاؤنڈ نہیں تھا کہ وہ جرمنی جاسکتی وہ سب سے ادھار لے چکی تھی، نعمان، فریال کو انکار نہیں کرتا تھا مگر اس نے اپنا سب کچھ اور نہ نموی شادیوں پر لگا دیا تھا۔ چند ماہ پہلے اس نے سلوگی سے برطانیہ کی ہی ایک پاکستانی نژاد لڑکی کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔ وہ فریال کے سامنے والے فلیٹ میں رہتا تھا جو کچھ تھا فریال کے سامنے ہی تھا۔ اس نے فریال سے کچھ چھا کر الگ نہیں رکھا تھا۔ وہ نعمان کے سامنے روئے لگی۔

”کسی بھی طرح مجھے جرمنی بھیج دو گئے گھر سے دھکے دے کر نکال تو نہیں دے گا نا۔ پھر تو اسے مجھ سے ملنا ہی پڑے گا۔“ فریال نے ٹھوس دلیل دی۔

نعمان نے اپنا سب کچھ نکال کر اپنی بہن کے سامنے رکھ دیا۔ اپنی گھڑی، ”ایب ٹاپ“ اپنی بیوی کے گولڈے ایئر رنگز، جو جو کچھ بک سکتا تھا سب۔

نعمان اس کے جرمنی جانے کا انتظار کرنے لگا۔ اس دوران وہ مسلسل اس کے گھر فون کرتی رہی۔ اس کی آواز سنتے ہی فون بند کر دیا جاتا۔ ایک دن ثانیہ فون اٹھایا۔

”آذر نے کبھی آپ کا ذکر نہیں کیا۔ وہ سختی سے مجھے منع کرتا ہے آپ سے متعلق کوئی بھی بات کرنے سے۔“ وہ نرمی اور تحمل سے فریال سے مخاطب تھی۔

فریال نے رو رو کر ثانیہ کو اپنی زندگی کے واقعات

سنائے۔ اس نے یقین کیا یا نہیں مگر وہ خاموشی سے سنتی رہی۔

”آپ کی وجہ سے وہ یہ گھر شفٹ کر رہا ہے آئی۔“

”کب؟“ فریال کو لگا، آذر ایک بار پھر سے گم ہونے جا رہا ہے۔

”آج کل میں۔“

”میں جرمنی آ رہی ہوں ثانیہ!۔“

”ابھی مت آئیں آئی میں کو شش کرتی ہوں آذر کو منانے کی اور سمجھانے کی۔ اس وقت تک تھوڑا انتظار کر لیں۔“

”کتنا انتظار اور ثانیہ!۔“ وہ رونے لگی۔ ”کر سکتی تو کر لیتی۔“

”وہ میری کوئی بات نہیں سنتا آئی۔ آپ یہاں آئیں تو باپس ہوں گی۔ دیکھی بھی۔“

دیکھی تو وہ اور ہوئی گئی تھی۔ آذر گھر شفٹ کر چکا تھا۔ ثانیہ کو اس نے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ فریال سے بات نہیں کرے گی، پھر بھی کبھی کبھار ثانیہ چپکے سے فریال کو فون کر لیتی تھی۔

اور آج تین ماہ بعد اس نے ہی فون کر کے آذر کے لندن آنے کا بتایا تھا۔ جرمنی سے دو دن پہلے وہ اسکاٹ لینڈ آیا تھا۔ آج اسے لندن آنا تھا۔

وہ لندن آیا مگر اس سے نہیں ملا۔

شام رات میں ڈھل چکی تھی۔ وہ پارک میں ایک ہی انداز سے بت بنی بیٹھی تھی۔ وہ اپنی سرخ آنکھوں کو رگڑتی ہوئی انھی اور پارک سے باہر آئی۔ وہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھی تھی۔ اس کا دکھ اور تکلف آج بے حد بڑھ چکی تھی۔ اتنی کہ اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ فٹ ہاتھ کے ساتھ ساتھ چلتے وہ ایک دم سے سڑک پر گر گئی۔ اس پاس چلنے والے لپک کر اس کے قریب آئے۔ دکھوں کے عجب انداز ہوتے ہیں۔ وہ آپ کو تھس تھس کر دیتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

آذر کو آفس کے کام سے اسکاٹ لینڈ بھیجا گیا تھا۔

برطانیہ سے باہر کر بھی اس نے پیشہ نادر کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے کچھ خبریں ملیں کہ وہ پاکستان جا چکا ہے۔ اس نے وہاں بھی معلوم کروانا چاہا مگر ناکام رہا۔ اسے نادر کی دوسری بیوی کے بارے میں کچھ معلومات ملی تھیں کہ وہ لندن میں ہی ہے۔ اس نے قیاس لگایا کہ اگر وہ لندن میں ہیں تو نادر بھی ہوگا۔

لندن آکر اسے کچھ وقت لگا کر ڈھونڈنے میں مگر اسے مل ہی گیا وہ ایک بڑا اور شاندار گھر تھا۔ اس کے ڈیڑھ لاکھ نادر کا گھر اس کا گھر جس کے لیے وہ رونا رہا تھا۔ جس کا اس نے پاگلوں کی طرح انتظار کیا تھا۔ گھبرائے ہوئے انداز میں اس نے تہل جاتی۔

خوب صورت اور اسماٹ سی عورت دروازے پر آئی۔ اس نے صرف مسکرا کر سوالیہ شکل بنائی۔ یہ وہی عورت تھی جسے آذر نے نادر کے ساتھ شاپنگ سینٹر میں دیکھا تھا۔ جب تک وہ بھاگ کر فرسٹ فلور سے گراؤنڈ فلور تک آیا وہ اس کی نظروں سے گم ہو چکے تھے۔ اسے پھر کبھی نادر نظر نہیں آیا۔

”میں آذر ہوں۔“ آذر گھبرایا۔ ”پاپا ہیں؟“ اسے یقین تھا پاپا کی یہ بیوی اسے ضرور جانتی ہوں گی۔ ”کون پاپا؟“ وہ ابھی بھی مسکرا رہی تھی۔ ”نادر جمل۔“ آذر بھی مسکرایا۔ خاتون کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

”وہ یہاں کیوں ہوگا؟“ اس بار وہ مسکرائی نہیں مگر جواب محل سے ہی دیا۔

”آپ ان کی بیوی۔“ آذر تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ ”تھی۔ ایک عرصہ ہوا ہماری طلاق ہو گئی۔“ آذر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ طلاق پر افسوس کرے یا نادر کا پوچھے۔

”اور ڈیڈ؟“ ”اندر آجاؤ۔“ وہ اسے اندر لے آئی۔ گزرتے ہوئے آذر نے لاؤنج میں دو کم سن لڑکا لڑکی کو فلم دیکھتے دیکھا۔

”تم اس کے کون سے بیٹے ہو؟“ سوال تھا یا

اقرار۔ آذر سمجھا نہیں۔ ”کون سے؟“ وہ حیران ہوا۔ ”ہاں! اس بیوی کے کون سے بیٹے؟“ ”پہلی بیوی کا پہلا بیٹا! میں ان کا ایک ہی بیٹا ہوں۔“ آپ کے بچوں کے علاوہ۔ ”تمہیں یقین ہے کہ تم اس کے اکلوتے بیٹے ہو۔“ میری ایک بیٹی کے علاوہ۔

”جی۔“ آذر نے ساتھ سر بھی ہلایا۔ ”اور تمہیں یقین ہے کہ تم اس کی پہلی بیوی سے ہو؟“ آذر کو غصہ آیا۔ ”میں فریال کا بیٹا ہوں۔ وہ ان کی پہلی بیوی تھیں اور آپ دوسری۔“

”میں اس کی آنکھیں بیوی تھی آذر۔“ وہ قہقہے سے بولی۔ اس طرح کے صدمے سے آذر پہلی بار دوچار ہوا تھا۔ اسے سامنے بیٹھی عورت کی عقل پر کمان ہوا۔

”اب بتاؤ اپنی بدکردار کا نام؟“ آذر ایسے خاموش ہو گیا تھا جیسے نہ کچھ بولے گا نہ پوچھے گا۔ سوال اتنی تکلیف دیتے ہیں۔ جواب اتنا غضب ڈھاتے ہیں۔

”میں نے ایک دوبار نام سنا تھا فریال کا۔ شاید وہ تیسری بیوی تھی نادر کی۔“ وہ خود سے بتانے لگی۔ ”وہ کہاں ہیں؟ کس بیوی کے گھر؟“ آذر کو یہی سوال مناسب لگا۔

”گھر؟“ وہ حیران ہوئی ”وہ حکومت کے گھر میں۔ جیل میں۔“ اتنا بڑا صدمہ۔ آذر کا سر گھوم گیا۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔

وہ دانستہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ آذر کی حالت بتا رہی تھی کہ اس کی جذباتی حالت ٹھیک نہیں۔ کچھ دیر بعد وہ کافی لے کر آئی۔

”جب میں نے اس کے ساتھ شادی کی تھی اس وقت میں بھی اس کی پہلی بیوی ہی تھی۔ پہلی سے شاید نادر کا مطلب تھا۔ پہلی برطانوی شہری خاتون۔ باقی سب

پاکستانی تھیں۔ اس وقت میرا ایک پانچ سال کا بیٹا تھا۔ دو سال پہلے ہی میں بیوہ ہوئی تھی۔ مجھے وہ اچھا لگا تھا۔ وہ روزانہ میرے ریڈیو نمٹ آتا تھا۔ میرا اپنا گھر تھا۔ ریڈیو نمٹ تھا۔ مجھے صرف ایک شوہر ہی چاہیے تھا۔ لیکن اسے صرف ایک بیوی نہیں چاہیے تھی۔ اسے

بیسوں کی مشین چاہیے تھی۔ نہ جانے کیسے میں اس کے جال میں آ گئی۔ اتنا عیاش اور بے غیرت انسان میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ ریڈیو نمٹ کے اکاؤنٹ میں ہیر پھیر کرتا تھا۔ پوچھا تو مجھ پر ہاتھ اٹھالیا۔ اصلیت سامنے آنے لگی تھی اس کی۔ میں نے مزید معلومات کروائیں تو مجھے اس کے ایک اور گھر کا پتا چلا جہاں وہ اپنی ساتویں بیوی کو بیاہ کر لایا تھا اور جسے وہ چاندروں کی طرح مارتا تھا۔ تنزیلہ کچھ بڑھی لکھی بھی تھی اور سمجھ دار بھی۔ ہم دونوں کو زیادہ وقت نہیں لگا نادر کی اصلیت کا پتا لگانے میں۔

وہ پاکستان سے لڑکیاں بیوی بنا کر لاتا تھا۔ یہاں ان سے رات دن کام کروانا تھا اور ان کے سارے پیسے اپنے پاس رکھتا تھا۔ لڑکیاں کم بڑھی لکھی ہوتی تھیں جنہیں ٹھیک سے اپنا پاسپورٹ بھی بڑھتا نہیں آتا تھا۔ پولیس کے پکڑنے سے پہلے ہی نادر بیرون ملک بھاگ گیا۔ اپنی بیویوں کو ماں تو وہ بننے ہی نہیں دیتا تھا۔ پھر بھی وہ چار بچوں کا باپ بن گیا۔ ان میں سے ایک میری بیٹی بھی ہے۔

اس دوران فریال کا نام سننے میں بھی آیا تھا مگر فریال سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ ”فریال۔!“ آذر کے دل و دماغ میں یہ نام گونجنے لگا۔

”اس پر شادی کے نام پر لڑکیوں کو ایکسپورٹ کرنے کا ہی الزام نہیں کہ وہ ڈرگ سلاٹر بھی تھا۔ خدا نے صرف شکل ہی اچھی دی تھی ورنہ کوئی اس پر تھوکتا بھی پسند نہ کرے۔“ آذر نے پسند کیا تھا اسے چاہتا۔ اور اپنی ماں کو دھتکارنا۔ اتنے سال وہ فریال نامی عورت سے نفرت کرتا رہا۔

”کچھ عرصہ پہلے مجھے خبر ملی کہ وہ امریکا کی کسی جیل میں ڈرگ کے کسی کیس میں عرصے سے قید کٹ رہا ہے۔ کیس کوئی بھی ہو، سزا وہ ظلم کی بجٹ رہا ہے۔ اپنے گناہوں کی۔“ ”اور فریال نے کس جرم کی سزا بھگتی؟“ اس کا دماغ الٹ پلٹ ہونے لگا۔

”میں چند ماہ پہلے ہی لندن شفٹ ہوئی ہوں، بیٹے کی یونیورسٹی کی وجہ سے۔ ورنہ اس شہر سے میری بہت رخ یادیں وابستہ ہیں۔ خاص کر وہ پہلی بار جو میں نے نادر کے ہاتھوں کھائی۔“ ”صرف ایک بار مارے۔“ آذر نے سوچا۔ اور یہ سب کچھ اس نے بہت دیر سے سوچا۔

”کس کے لیے کھائی مارے۔ جبکہ میں اس کی ایک بائی کی بھی محتاج نہیں تھی۔ اس کے جوتے کھانے کے لیے پیدا نہیں ہوئی تھی میں۔ میں تمہارے لیے اس کی مار بھی کھاتی آؤں! اگر وہ تمہارا ذہنی سکون نہ چھین رہا ہو تو۔“ میں کھاتی رہتی رہا رہی۔“ آذر کو فریال کی بات یاد آئی۔ آذر نے نم آنکھوں سے سامنے بیٹھی خاتون کو دیکھا۔ وہ ابھی بھی خوب صورت اور بر سکون نظر آ رہی تھی۔ مگر اس کی ماں وقت سے پہلے ہی بوڑھی ہو چکی تھی۔

”ہائے۔ ہائے!“ وہ سات سال کا تھا جب فریال

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
آرٹھیمس قریشی کے 3 دگل ناول

کتاب کا نام	قیمت
وہ شبلی سی دیوانی سی	600/- روپے
آرزو گھر آئی	500/- روپے
تھوڑی دیر ساتھ چلو	400/- روپے

ناول نمبر 45/- روپے

نکولے کا پتہ:
کتبہ عمران ڈائجسٹ - 37 - اندر بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

نادر کے ہاتھوں مار کھانے کے بعد اس کے ساتھ
سوئے ہوئے کراہ رہی تھی۔
”ہائے نی ماں!“ وہ بوڑھائی رہتی۔ ساری رات
کراہتی رہتی۔

کلنی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ لاونچ میں چلتی فلم کی
چنگھاڑی آوازیں اس کے کانوں کے پردے پھاڑ رہی
تھیں۔

”آؤ! آئی کا رونا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔“ ٹانیہ
کی آواز۔ ”صرف ایک بار مل لوں۔“
”جس دن تمہاری اصل نادر سے ملاقات ہوگی،
اس دن تم دیواروں سے پٹ پٹ کر روؤ گے۔“ گوگی
کی آواز۔

”کاش! تم ایک بار اپنی ماں کو ماں کی نظر سے دیکھ
لو۔ اپنی ماں کو گلی دے دو آؤ! ان نظروں سے مت
دیکھو۔“ فریال کی آواز۔
مگر اس نے دیکھا۔

آگئی عذاب ہے اس صورت میں اگر اسے دیر
سے جانا جائے۔

وہ بمشکل خود کو قابو میں رکھ کر کھڑا ہوا۔
”مریکن جیل میں فون کر کے میں نے معلوم کیا تھا
نادر کا۔ چاہو تو تم بھی۔“ اس کے کھڑے ہوتے ہی وہ
فورا بولی۔

آؤ نے ایک زخمی سی نظر اس پر ڈالی اور وہ خاموش
ہو گئی۔

ان کے گھر سے نکل کر وہ بمشکل کچھ دور تک چل
سکا۔

سڑک روشن لیکن سنیان تھی اور وہ کھل کر
رو سکتا تھا۔ دیواریں نہیں تھیں جن سے وہ لپٹتا تھا
پچھتاوا ضرور تھا۔

”ٹانیہ!“ کچھ دیر بعد اس نے ٹانیہ کو فون کیا۔
”ماں کا نمبر ہے تمہارے پاس؟ مجھے سینڈ کرو۔“ کچھ دیر
بعد وہ کچھ اور کرنے کے قابل ہو سکا۔

فریال کے فون پر تپل جا رہی تھی۔
”اما!“ کال ریسیو ہوتے ہی وہ بولنے لگا۔

”اب کون سا حساب کتاب لینے کے لیے فون کیا
ہے تم نے؟“ نعمان کی کرخت آواز اسے سنائی
دی۔ ”آئی سی یو میں ہے وہ۔“



فریال کو ہارٹ ایک ہوا تھا۔ وہ آئی سی یو میں تھی
نعمان نے ایک شکایتی نظر اس پر ڈالی اور نہایت کیے
ایک طرف ہو گیا۔ آؤر کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ نشین میں
زندہ ہی گڑ جائے اس نے کتنے رشتوں کو زندہ کاڑ دیا
تھا۔ گوگی آئی ان کے شوہر جی کہ ان کے بچے تک
ہسپتال میں تھے۔ وہ سب اس کی ماں کے لیے پریشان
اور فکر مند تھے اتنے سارے لوگ اس کی ماں سے
پیار کرتے تھے ایک وہ ہی نہیں کر سکا۔

اولاد کے نام پر تنہا زندگی کیسے گزار دی جاتی ہے
اس ہجر کی تصویر جی فریال اکھڑی اکھڑی سانس لے
رہی تھی۔

آؤ نے جرمنی فون کر کے ٹانیہ اور غمل کو آنے
کے لیے کہہ دیا۔

دو دن بعد جب فریال نے ہوش میں آکر دیکھا
شروع کیا تو اسے آؤر اپنا ہاتھ چومتا نظر آیا۔ وہ بار بار
اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں اور ہونٹوں کے ساتھ لگا رہا
تھا۔

”اما!“ وہ محبت سے پکار رہا تھا۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ آؤر سے پٹ جائے گی مگر
آؤر اس سے پٹ رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اس کا
ہاتھ چوسے گی اور آؤر اس کا ہاتھ چوم رہا تھا۔ سوچ کی
تعبیر الٹ ہوئی مگر بہت خوب ہوئی۔

لوگ کہتے ہیں ’نائیں معاف کری رہتی ہیں۔‘ انہیں
معاف کرنا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ اس محبت کے ہاتھوں
مجبور ہوتی ہیں جو وہ اپنی اولاد سے کرتی ہیں۔ ماں وہ سختی
ہے جس پر اولاد کچھ بھی لکھ سکتی ہے مگر ماں صرف
”محبت“ لکھتی ہے۔

